ریاستی معاہدات اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری

State contracts and Adherence to international laws

ڈاکٹر محمد نعمان خالد*　　ڈاکٹر عبد الماجد**　　ڈاکٹر معراج علی***

ISSN (P) 2664-0031 (E) 2664-0023
DOI: https://doi.org/10.37605/fahmiislam.v5i2.351

Received: December 13,2022
Accepted: December 22, 2022
Published: December 30,2022

Abstract

Life is progressing headway by degrees. Today's world has changed a lot from the antecedent one. Today is the period of the pinnacle of the development of science and other arts. Life is changing its forms every moment of life. The forms of state security are no longer what they used to be in the past, so international agreements between two or more countries have become very foremost cardinal. International laws and agreements have become a slice of living word's politics. Especially since the establishment of the United Nations, hundreds of countries of the world have signed innumerable of international agreements. Many of these contracts contradict the Qur'an and Sunnah, above all these laws are forced upon the contracting countries by force, and those countries that violate these laws are charged with violating the treaty. Threats of strict action are given as an excuse. Some international agreements are also enforced on the people of contracting countries Arrival is made. Because wholesome of are related to the people and some are related to the state, that being the case, in this article, these agreements have been reviewed, that amongst these laws which are banafide and which are illegal in the sharia vantage point?

Keywords: International law, Contracts, State, Countries, Qur’an and Sunnah, Today’s politics, Illegal.

تمہید

انسان ہمیشہ کسی معاشرے اور سوسائٹی کا حصہ بن کر رہنے کو ترجیح دیتا ہے، پھر معاشرے میں رہتے ہوئے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، الغزالی یونیورسٹی احسن آباد، کراچی۔
** وائس پرنسپل، البیرونی کالج، البیرونی ایجوکیشن سسٹم جامعۃ الرشید۔
*** اسسٹنٹ پروفیسر نمل یونیورسٹی میانوالی۔

اس کا دوسرے انسانوں کے ساتھ لین دین اور دیگر معاملات میں واسطہ پڑتا ہے، پھر کامیاب زندگی گزارنے کے سلسلہ میں معاشرت اور اخلاقیات کا سب سے بڑا دخل ہوتا ہے، اگر کوئی فرد یا ریاست عمدہ اسلوب پر چلنا چاہے تو اس کے لیے عمدہ معاشرت اور اخلاقیات کو اپنانا ضروری ہے، حسنِ معاشرت اور عمدہ اخلاق میں سے ایک چیز وعدہ کی پاسداری ہے، روز مرہ زندگی میں انسان کو بارہا دوسروں سے وعدہ اور معاہدہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ان معاہدات سے فریقین کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک فریق بھی اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس سے دوسرے فریق کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے شریعت نے وعدہ اور معاہدہ کی پاسداری کی بڑی تاکید کی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کی شدید مذمت بیان کی ہے، روایات میں کفار اور جان کے دشمنوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی گئی، اگرچہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات مسلمانوں کو نقصان بھی اٹھانا پڑا، معاہدہ کی پاسداری کی عظیم مثالیں تاریخِ اسلام کے عمدہ اوراق میں موجود ہیں۔ آج کی دنیا چونکہ گلوبل ویلج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اب مختلف ریاستوں اور ممالک کے آپس میں لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں اور معاہدہ کرنے والے ممالک کی قومی سلامتی ان معاہدات کی پاسداری پر موقوف ہے، اس لیے آج ان معاہدات کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں قرآن وسنت کی روشنی میں معاہدہ کی اہمیت، عصرِ حاضر کے تناظر میں معاہدات کی ضرورت اور ریاستی اور بین الاقوامی قوانین کی حیثیت کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔

وعدے کا لغوی و اصطلاحی معنی:

وعدے کا لغوی معنی "مستقبل میں کسی امر کی یقین دہانی کرانا یا کسی چیز کی امید دلانا" ہے۔ اور اصطلاح میں وعدہ "مستقبل میں خیر کے کام تک پہنچانے کی خبر دینا" ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

والْوعْد في الاصْطِلاح: الإخْبار بإيصَال الْخيْر في الْمسْتقْبل[1]

قرآن وسنت کی روشنی میں وعدے کی اہمیت:

قرآن وسنت میں وعدہ پورا کرنے کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے، جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں ایفائے عہد کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

{وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ [2]}

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو، اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے کیے جانے والے عہد کے ایفاء کا حکم دیا ہے، اس کی تفسیر کے تحت علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا جانے والا معاہدہ قسم پر ہے: ایک وہ تمام احکامات جن کا اللہ تعالی نے انسان کو مکلف بنایا اور ان پر عمل کرنے کا انسان کو پابند بنایا۔ دوسرا یہ کہ آدمی اللہ کی قسم اٹھا کر کسی کام کا عہد کرے یا یہ کہ کسی کام کی نذر یعنی منت مان لے، مثلاً؛ یوں کہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں اللہ کے راستے میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی کام کرنے کا آدمی وعدہ کر لے تو اس کا پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[3]

جبکہ امام طبری نے یہاں ایفائے عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ احکامات کی پاسداری ہے، جس میں اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا شامل ہے۔[4]

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کیے جانے والے وعدوں کی پاسداری کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[5] }

ترجمہ: اور اے ایمان والو! تم اپنے عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس آیتِ مبارکہ کے تحت ایفائے عہد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے مقتضی پر عمل کیا جائے، اس کو توڑنے اور اس کی خلاف ورزی سے بچا جائے۔[6] دیگر مفسرینِ کرام رحمہم اللہ نے بھی مذکورہ آیت سے وعدہ کے پورا کرنے پر استدلال کیا ہے۔

وعدہ کے حکم میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے اقوال:

وعدے کی شرعی حیثیت کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے چھ اقوال ہیں:

پہلا قول:

پہلا قول یہ ہے کہ وعدے کو پورا کرنا واجب ہے، یہ مالکیہ کا مشہور مذہب ہے، اسی قول کو حضرت عمر بن عبد العزیز، قاضی ابن الاشوع کوفی، ابن شبرمہ، امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے لیا ہے، ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ط كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ[7] }

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو؟ جس کو تم کرو نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بڑی قابلِ نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

ان کا دوسرا استدلال حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ہے:

عن جابر بن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «ثلاث في المنافق: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان»[8]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

اس حدیثِ مبارکہ میں وعدہ خلافی کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے، اس طرح کی اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں وعدہ خلافی کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اس لیے ان فقہائے کرام رحمہم اللہ نے وعدہ کے ایفاء کو واجب قرار دیا ہے۔

دوسرا قول:

دوسرا قول علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ کا ہے، ان کے نزدیک اصل حکم یہ ہے کہ وعدے کو بہر صورت پورا کرنا واجب ہے، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو واجب نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص وعدے کو پورا کرنے کے ارادے سے وعدہ کرے اور پھر اس کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جس میں اس شخص کے فعل کا کوئی دخل نہ ہو تو اس صورت میں اس پر وعدے کا پورا کرنا واجب نہ رہے گا۔ ان کی دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا وعد الرجل وينوي أن يفي به فلم يف به فلا جناح عليه"[9]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص وعدہ کرے اور اس کی نیت اس وعدے کو پورا کرنے کی ہو، پھر (کسی عذر کی بناء پر) وہ پورا نہ کر سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

تیسرا قول:

تیسرا قول علامہ تقی الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کا ہے، ان کے نزدیک وعدے کو پورا کرنا صرف دیانۃً واجب ہے، قضاء نہیں، چنانچہ علامہ ابن علانؒ "الفتوحات الربانیۃ" میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ تقي الدين السبكي ------- ظواهر الآيات والسنة تقتضي وجوبه وإخلاف الوعد كذب والخلف والكذب ليسا من أخلاق المؤمنين قال: ولا أقول بقي دينا حتى يقضي من تركته وإنما أقول يجب الوفاء تحقيقا للصدق وعدم الإخلاف.[10]

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ شیخ تقی الدین سبکیؒ کے نزدیک وعدے کو پورا کرنا صرف ایک اخلاقی فریضہ ہے، قضاءً وعدے کو پورا کرنا واجب نہیں، یعنی اگر وعدہ کی خلاف ورزی کی بناء پر موعود لہ (جس سے وعدہ کیا گیا) کا کوئی نقصان ہو جائے اور معاملہ قاضی کی عدالت میں لے جایا جائے تو قاضی اس کے نقصان کی تلافی کا فیصلہ جاری نہیں کرے گا۔

چوتھا قول:

حضراتِ شافعیہ اور حنابلہ کے جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک وعدے کو پورا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص وعدے کی خلاف ورزی کرے تو اس نے صرف وعدہ پورا کرنے کی فضیلت کو چھوڑا اور مکروہ تنزیہی کام کا ارتکاب کیا، لیکن وہ گناہ گار نہیں ہو گا، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ "روضۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں:

الوفاء بالوعد مستحب استحبابا متأكدا ويكره إخلافه كراهة شديدة ودلائله من الكتاب والسنة معلومة۔[11]

ترجمہ: وعدے کو پورا کرنا ایک مستحب امر ہے جس کی بہت تاکید کی گئی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا سخت مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور اس کے دلائل کتاب و سنت میں معروف ہیں۔

اسی طرح امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی مستقبل میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرے تو اس کو اپنے امکان کی حد تک پورا کرنا اولی اور افضل ہے، چنانچہ احکام القرآن للجصاص کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"أنّ الْوعد بفعل يفعله في الْمستقبل وهو مباح، فإنّ الأولى الوفاء به مع الإمكان"[12]

ترجمہ: اگر کوئی شخص مستقبل میں کسی ایسے کام کا کرنے کا وعدہ کرے جو فی نفسہ مباح ہو، تو امکان کی حد تک اس کو پورا کرنا بہتر اور افضل ہے۔

پانچواں قول:

پانچواں قول یہ ہے کہ وعدے کی دو قسمیں ہیں: ایک وعدۂ مطلق ہے، جو کسی شرط کے ساتھ مقید نہ ہو، مثلاً: زید عمرو سے کہے کہ میں سوموار کو تمہارے پاس آؤں گا۔ ایسا وعدہ پورا کرنا واجب نہیں، بلکہ اس کو پورا کرنا مستحب اور اخلاقی فریضہ ہے۔ وعدے کی دوسری قسم یہ ہے کہ وعدہ کسی شرط کے ساتھ معلق ہو، جیسے زید کا عمرو سے یہ کہنا کہ اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کو ایک ہزار روپیہ دوں گا، ایسے وعدے کی تکمیل اور اس کو پورا کرنا شرعاً واجب ہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے، چنانچہ علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ بزازیہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

ولا يلْزم الْوعد إلا إذا كان مُعلَّقا كما في كفالةِ الْبزَّازيّة[13]

یعنی وعدہ نہیں لازم ہوتا، مگر یہ کہ معلق بالشرط ہو، جیسا کہ بزازیہ کی کتاب الکفالہ میں مذکور ہے۔

اسی طرح مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

المواعيد باكتساب صور التعاليق تكون لازمة.[14]

یعنی تعلیقات کی صورتوں میں وعدے لازم ہوتے ہیں۔

لہٰذا اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کی طرف سے اس کا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا، پھر وہ ادا کرنے سے رک گیا تو اس کو قرض ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ آپ یہ چیز فلاں کو بیچ دو، اگر اس نے آپ اس کے ثمن (قیمت) ادا نہ کیے تو میں آپ کو دوں گا، اس صورت میں اگر خریدار نے فروخت کنندہ کو قیمت ادا نہ کی تو وعدہ کرنے والے شخص کو قیمت ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ اگر آپ کل میرے پاس آجائیں تو میں آپ کو ایک لاکھ روپیہ قرض دوں گا، اب اگر کل کو وہ شخص آ گیا تو وعدہ کرنے والے شخص پر ایک لاکھ روپیہ بطور قرض اس کو دینا لازم ہو گا۔

چھٹا قول:

جمہور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک وعدہ شرعاً لازم نہیں، بلکہ وعدہ کرنے والے کی دیانۃً ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے وعدے کا ایفاء کرے، لیکن علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وعدے کو پورا کرنا لوگوں

کی حاجت کی بناء پر کبھی قضاءً بھی لازم ہو جاتا ہے، نیز علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، اسی وجہ سے شرح المجلہ میں اسی قول کو ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی وعدے کی ادائیگی ضرورت کے پیشِ نظر قضاءً بھی لازم ہوتی ہے۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہوتا ہے جب وعدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں کسی فریق کو نقصان ہوتا ہو، مثلاً: زید، عمرو سے کہے کہ آپ میرے لیے ایک لاکھ روپے کی گندم لے آنا، میں آپ سے خرید لوں گا، عمرو منڈی سے ایک لاکھ روپے کی گندم لے آیا، ادھر زید نے گندم خریدنے سے انکار کر دیا تو ایسی صورت حال میں زید کے ذمہ وعدے کو پورا کرنا لازم ہو گا، اگر معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ جائے تو قاضی زید کو گندم خریدنے پر مجبور کرے گا، کیونکہ خریداری کے وعدے کو پورا نہ کرنے کی صورت میں عمرو کا نقصان ہو گا، لہذا ایسی صورتحال میں وعدے کی ادائیگی دیانۃً اور قضاءً دونوں طرح ضروری ہو گی۔

اقوال کا خلاصہ:

گزشتہ تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دوسرے فریق کا کسی بھی حوالے سے نقصان ہو رہا ہو، خواہ مالی، جانی یا وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو تو وعدے کو پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ جن حضرات کے نزدیک ایفائے عہد کا حکم استحباب یا صرف دیانتاً وجوب کا ہے وہ بھی نقصان کی صورت میں ایفائے عہد کے وجوب کے قائل ہیں، جیسے جمہور حنفیہ کا دیانتاً وجوب کا قول ہے، لیکن اس کے باوجود علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ قول مشہور ہے "المواعید قد تکون لازمۃ" اس عبارت میں لزوم سے مراد قضاءً لازم ہونا ہے۔ اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کے اس قول کو بہت سے فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے، جیسے علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی رحمہما اللہ وغیرہ۔

معاہدے کا معنی اور اس کی پاسداری:

معاہدہ کا لفظ "عہد" سے نکلا ہے، جس کا لغوی معنی ہے، خود کو کسی بات کا پابند بنانا یا کسی معاملے کی ذمہ داری قبول کرنا۔[15] معاہدہ اور وعدہ میں صرف یہ فرق ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہوتا ہے، جبکہ معاہدہ دو طرفہ ہوتا ہے، گویا کہ جانبین سے کیے گئے وعدے کا نام "معاہدہ" ہے۔ باقی شرعی حیثیت کے حوالے سے جیسے وعدے کو

پورا کرنا لازم اور ضروری ہے، اسی طرح معاہدے کو پورا کرنا بھی فریقین کے ذمہ لازم ہے، باقی وعدے میں جیسے فقہائے کرام رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں، یہی تفصیل اور اقوالِ فقہاء معاہدے میں ہوں گے۔

معاہدہ چونکہ دو فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے دو قوموں، ملکوں اور قبیلوں کے درمیان ہونے والے وعدہ کو معاہدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں دونوں فریق وعدے کی پاسداری کے پابند ہوتے ہیں، جیسے سندھ طاس معاہدہ وغیرہ۔

آج کل کاروباری معاملات میں اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، جیسا کہ شرح المجلہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔[16] کیونکہ خرید و فروخت کی مرّوجہ صورتوں میں عام طور پر خریدار بذریعہ فون، ای میل اور موبائل فروخت کنندہ کو مال کی خریداری کا آرڈر دیتا ہے، فروخت کنندہ آرڈر پر غور کرکے مطلوبہ سامان تیار کرکے مال خریدار کے پاس پہنچا دیتا ہے، اب اگر مال پہنچنے پر خریدار انکار کردے اور کہہ دے کہ میں نے تو صرف وعدہ کیا تھا اور مال نہ خریدے تو اس صورت میں فروخت کنندہ کو جو نقصان اٹھانا پڑے گا، وہ کسی پر مخفی نہیں، لہٰذا اس طرح کیے گئے وعدے کی پابندی خریدار پر قضاءً بھی لازم ہو گی۔

سنتِ نبوی سے معاہدہ پورا کرنے کی مثالیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ معاہدہ کی پاسداری کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے؟ اور اسلام نے اس پر کتنا زور دیا ہے؟ ان میں سے چند ایک فرامین درج ذیل ہیں، جن سے وعدے کی پاسداری اور بغیر کسی عذر کے اس کے ایفاء کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

1) سننِ ابوداود کی ایک روایت ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خبردار! کوئی مومن کسی کافر کو قتل نہ کرے اور خبردار! کوئی معاہدہ کرنے والا شخص اپنے معاہدہ کی مدت کے دوران بھی کسی کو قتل نہ کرے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا أحمد بن حنبل ومسدد، قالا: حدثنا يحيى بن سعيد، أخبرنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن الحسن عن قيس بن عباد، قال: انطلقت أنا والأشتر إلى علي، فقلنا: هل عهد إليك رسول الله – صلى الله عليه وسلم – شيئا لم يعهده إلى الناس عامة؟ قال: لا، إلا ما في كتابي هذا –قال مسدد: قال: فأخرج كتابا، وقال أحمد: كتابا من قراب سيفه– فإذا فيه: "المؤمنون تكافأ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، ويسعى بذمتهم أدناهم، ألا لا يقتل مؤمن

بكافر، ولا ذوعهد في عهده، من أحدث حدثا فعلى نفسه، ومن أحدث حدثا أوآوى محـــدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين"[17]

2۔ روایات میں صلح حدیبیہ موقع پر حضرت ابو جندل اور ابو بصیر رضی اللہ عنہما کا جو قصہ پیش آیا وہ اسلام کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکہ کی طرف سے آئے ہوئے سہیل بن عمرو کے درمیان معاہدہ ہو رہا تھا، معاہدے میں ایک شق یہ بھی سامنے آئی تھی کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ آیا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر کفارِ مکہ میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ آیا تو اس کو واپس کیا جائے گا۔ یہ شِق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت گراں گزری تھی۔ بہر حال ابھی معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ اسی دوران حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کفارِ مکہ سے بھاگ کر بیڑیوں میں جکڑے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، سہیل نے دیکھتے ہی کہا کہ اس کو ہماری طرف واپس لوٹایا جائے، آپ صلی اللہ نے فرمایا: ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا، اس نے کہا: نہیں! معاہد نامہ میں یہ شق لکھی جا چکی ہے، الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادلِ ناخواستہ ان کو واپس جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو پکارا کہ اسے مسلمانوں کے گروہ! مجھے کفار کی طرف واپس لوٹایا جا رہا ہے، اس وقت مسلمانوں کی جو کیفیت تھی وہ انتہائی ناقابلِ برداشت تھی، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ نے معاہدہ کی پاسداری کی اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ سے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

يا أبا جندل ! اصبر واحتسب فإن الله جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجاً ومخرجـــاً، إنا قد صالحنا هؤلاء القوم وجرى بيننا وبينهم العهد وإنا لا نغدر۔

ترجمہ: اے ابو جندل! صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور آپ کے کمزور ساتھیوں کے لیے ضرور کشادگی پیدا فرمائیں گے اور کوئی راستہ نکالیں گے۔ بے شک ہماری اس قوم سے مصالحت ہو چکی ہے اور ہمارے درمیان معاہدہ قائم ہو چکا ہے اور ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔[18]

اسی طرح ایک اور صحابی حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو بھی اسی دوران واپس بھیجا گیا، پہلی مرتبہ جب واپس بھیجے گئے تو وہ اپنے غیر مسلم ساتھی کو قتل کر کے دوبارہ خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اب آپ مجھے واپس نہ بھیجیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس ٹھہرنے سے انکار فرما دیا۔[19]

3۔ سننِ ابوداود میں ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مرتبہ کفارِ مکہ کی طرف سے ابورافع سفیر بن کر آئے، جب وہ مجلس میں پہنچے تو ان کے دل میں اسلام کی محبت گر کر گئی، انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب میں کبھی واپس نہیں جاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إني لا أخيس بالعهد" یعنی میں وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کو واپس جانے کا حکم فرمایا۔[20]

4۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ روم کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا، جیسے ہی معاہدے کی مدت ختم ہو گئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اچانک دشمن پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران ایک صحابی گھوڑے پر سوار ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے آئے اور فرمایا: "وفاء لا غدر" یعنی معاہدہ کی پاسداری کرو، دھوکہ نہ دو۔ جب لوگوں نے دیکھا تو وہ مشہور صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: جس قوم کے ساتھ معاہدہ طے ہو تو اس پر لازم ہے کہ معاہدے کو ہرگز نہ توڑے اور نہ اس میں سختی کرے، یہاں تک کہ مقررہ وقت گزر جائے یا یہ کہ دشمن معاہدے کو از خود توڑ دے۔ یہ فرمان سن کر تمام لوگ حملہ سے واپس لوٹ آئے۔[21]

مذکورہ بالا روایت میں اگرچہ معاہدے کی مدت ختم ہو چکی تھی، لیکن چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے پہلے سے ہی حملے کی تیاری کر رکھی تھی اور جیسے ہی مدت ختم ہوئی تو انہوں نے حملہ کر دیا، اس سے تھوڑا سا شبہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں نے دھوکہ سے حملہ کیا ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاہدے کی خلاف ورزی کا شبہہ ہوا کہ ہمیں دشمن کو معاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دینے کے بعد حملہ کرنا چاہیے تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب معاہدہ ختم ہونے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنا احساس تھا تو معاہدہ کی مدت کے دوران کتنا احساس ہوتا ہوگا؟

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں، جن میں معاہدے کی پاسداری کی واضح مثالیں اور آپ صلی اللہ کا طرزِ عمل ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ کے عمل کو دیکھنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں میں بھی عہد کی پاسداری کی اہمیت جاگزیں ہو چکی تھی۔

بلاعذر معاہدہ کی خلافی کرنے پر وعیدیں:

شریعتِ مطہرہ میں جیسے وعدہ اور عہد پورا کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح بلاعذر وعدہ خلافی کرنے اور معاہدہ توڑنے پر بھی سخت وعیدیں آئی ہیں، چند ایک روایات ملاحظہ فرمائیں:

1۔ قرآنِ مقدس میں ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (55) الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ[22] }

یعنی بیشک خدا کے نزدیک جانوروں میں کفار سب سے بدترین ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (اے رسول) جن لوگوں نے تم سے عہد وپیاں کیا تھا پھر وہ لوگ اپنے عہد وپیاں کو ہر بار توڑ دیتے ہیں اور پھر خدا سے نہیں ڈرتے۔

یہ آیت شریفہ بنی قریظہ کے اُن یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے عہد کیا تھا کہ وہ دشمنانِ اسلام کا ساتھ نہیں دیں گے۔ لیکن جنگِ بدر میں انھوں نے مشرکین کو اسلحہ کی کمک دے کر یہ عہد وپیان توڑ دیا تھا بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم یہ عہد وپیان بُھول گئے تھے۔ دوبارہ انہوں نے رسول خدا سے ایسا ہی عہد کیا تھا لیکن جنگ خندق میں پھر انھوں نے اسے توڑ دیا اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ابوسفیان سے مل گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات اتاریں۔

2۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"ثلاثة من كن فيه فهو منافق و إن صام و صلى و زعم أنه مسلم إذا حدث كذب و إذا وعد أخلف و إذا ائتمن خان"

"ترجمہ: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ منافق ہے، اگرچہ وہ روزے رکھے، نمازیں پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور اگر اس کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔"[23]

3۔ ایک اور حدیث جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غدرة فلان بن فلان [24]

یعنی معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑھا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کا غدر یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ جب پوری دنیا کے لوگ جمع ہوں گے، ان سب کے سامنے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے شخص کے غدر اور دھوکے کو ظاہر کرنے کے لیے یہ جھنڈا گاڑھا جائے گا۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ "**لیعرف به**" یعنی جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ اس کی سرین پر جھندا گاڑھا جائے گا۔ اور یہ جھنڈا اتنا ہی بلند ہو گا، جتنا بڑا آدمی نے دنیا میں غدر یعنی معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو گی۔[25]

اس حدیث کے تحت علامہ مناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جھنڈے کا مقصد اس شخص کی توہین اور تحقیر کرنا ہے، ایسے شخص کو پوری دنیا کے سامنے ذلیل کیا جائے گا۔ ہر کس وناکس اس شخص کو پہچانے گا اور اس کے غدر کو جان لے گا۔[26]

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (المتوفی: 702ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ علمائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ مغادرت کا معنی جنگ میں معاہدے کی خلاف ورزی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن کبھی اس سے عام معنی بھی مراد لیا جاتا ہے۔[27] اس صورت میں ہر قسم کے معاہدے کی خلاف ورزی اس میں شامل ہو گی اور اس شخص کے لیے حدیث میں ذکر کردہ وعید ثابت ہو گی۔

کن صورتوں میں معاہدے کو توڑنا جائز ہے؟

اصولی طور پر عام حالات میں کسی شخص کے لیے وعدہ کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر پیش آجائے تو درج ذیل صورتوں میں وعدہ اور معاہدہ کو توڑنے کی اجازت ہے:

1) عذر پیش آنے کی صورت میں فریقِ ثانی کو بروقت اطلاع کر دی جائے کہ میں معاہدہ پورا نہیں کر سکتا، تاکہ اس کو مال کے نقصان یا وقت کے ضیاع کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگر اس نے وقت آنے سے پہلے نہ بتایا اور معاہدہ توڑنے کی صورت میں دوسرے شخص کا نقصان ہوتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ وعدے کا ایفاء کرے یا دوسرے فریق کے نقصان کی تلافی کرے۔
2) اگر دوسرے شخص کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی پائی جائے تو اس صورت میں بھی معاہدہ کو توڑنے اور اس کی خلاف ورزی کی اجازت ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا،

لیکن جب ان کی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی پائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف لشکر کشی کا حکم دیدیا۔

بین الاقوامی معاہدات کی اہمیت:

کوئی بھی ملک دنیا کے خواہ کسی بھی خطے میں واقع ہو، اس کو اپنے گردوپیش کے ممالک کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلقات و معاہدات قائم کرنے پڑتے ہیں، اہلِ دنیا سے کٹ کر زندگی گزارنا نہ صرف مشکل، بلکہ آج کے دور میں ناممکن ہو چکا ہے۔ اسی لیے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں معاہدات کی ایسی بہت مثالیں ملتی ہیں، جو نہ صرف امتِ مسلمہ، بلکہ پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف قبائل کے ساتھ معاہدات کیے، جن کی ایک ایک شق ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے، ان میں شریعت کے رہنما اصولوں کی مکمل پاسداری ہوتی تھی اور وہ معاہدات ملک و ملت کی سلامتی کے بھی ضامن ہوتے تھے۔ اس سے ان معاہدات کی اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

کسی بھی مسلم حکمران کے لیے شریعت کے خلاف معاہدات کرنا ہرگز جائز نہیں، بحیثیت مسلمان اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں کے مطابق معاہدہ کرے، جس میں ملک و ملت کی سلامتی و بہتری اور بقاء و فلاح پوشیدہ ہو، ماضی، حال اور مستقبل کے حالات وواقعات اور منصوبوں کو سامنے رکھتے ہوئے معاہدہ کرنا چاہیے، اس کے لیے شریعت میں رسوخ رکھنے والے علمائے کرام اور ملکی و بین الاقوامی قوانین کے ماہرین سے مشاورت اور ان کی رائے کا حصول از حد ضروری ہے، اس کے بغیر معاہدہ کی شقوں میں شرعی یا قانونی حوالے سے کہیں نہ کہیں سقم اور کمزوری رہ جاتی ہے، اس کے لیے ذہانت، بیدار مغزی، ہوشیاری اور چالاکی سے کام لینا بھی ضروری ہے، ورنہ بعض دفعہ غیر مسلم ممالک کے نمائندے اپنی مرضی کی شقیں معاہدے میں شامل کر دیتے ہیں، پھر جب اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

بین الاقوامی قوانین کے بعض ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ اہلِ پاکستان پر تقریباً 9 ہزار ملکی قوانین اور 13 ہزار بین الاقوامی قوانین لازم کیے گئے ہیں، جب ان قوانین و معاہدات کی قانون سازی ہو رہی ہوتی ہے تو اس وقت ہمارے نمائندگان اجلاس میں شرکت کی بجائے سیر و تفریح کر رہے ہوتے ہیں، بیدار مغز اور دور اندیش قوموں کے نمائندے قانون کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک شق پر طویل بحثیں کرتے ہیں، جیسے ہندوستان اپنے

معاہدے سے تجاوز کرتے ہوئے ڈیم پہ ڈیم تعمیر کر کے پاکستان کے حصے کا پانی روک رہا ہے، اُس کے نتیجے میں آنے والے سالوں میں پاکستان خطرناک حد تک قلتِ آب کے خطرے سے دوچار ہو سکتا ہے۔

اسی طرح "پیمان لوزان (لوزان معاہدہ) جس پر 24 جولائی 1923ء کو دستخط ہوئے تھے ترکوں پر تھوپا ہوا معاہدہ ہے۔ بعض لوگ اسے اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے یہ ترکی پر ان کی فتح تھی۔ انہوں نے ترکی کی مرضی کے خلاف اس پر یہ معاہدہ مسلط کر دیا اور اپنے تئیں یہ باور بھی کر لیا کہ ترکوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ نیز اس بنیاد پر انہوں نے دنیا والوں کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انہیں بھی اسے ایک جائز معاہدہ تسلیم کر لینا چاہیے۔ حالانکہ یہ بات بالکل حقیقت کے خلاف ہے، یہ سب کچھ ترک عوام کی مرضی اور منشاء کے بغیر کیا گیا، اس طرح کے اور بھی معاہدات ہیں جو اسلامی ممالک پر لازم کیے گئے ہیں۔

عصرِ حاضر کے بین الاقوامی معاہدات کی حقیقت:

انٹرنیشنل قانون کا لفظ سب سے پہلے جرمی بینتھم نے 1780ء میں استعمال کیا، انٹرنیشنل قانون سے مراد وہ قانون ہے جو دو ملکوں کے آپس میں تعلقات کو منظم اور ریگولیٹ کرتا ہے۔

یہ بات ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اقوامِ متحدہ کا مکمل طور پر غیر مسلم طاقتوں کی نمائندگی کے لیے قائم کیا گیا، اس کے قوانین وضوابط بنانے والے لوگ بھی غیر مسلم تھے، انہوں نے مسلم قوم کو ایک گھٹیا اور معمولی قوم سمجھ کر تعصب کی چادر اوڑھ کر پسِ پشت ڈال دیا گیا اور دنیا کی سپر طاقتوں نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر ایسے قوانین بنائے جن کا اسلام اور امتِ مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلامتی کونسل کے پانچوں ممبران غیر مسلم ممالک ہیں، جو اپنی مرضی سے دنیا پر جو قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں، کر دیتے ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بھی اس کی پاسداری پر مجبور کیا جاتا ہے، خواہ وہ قوانین و معاہدات اسلام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے بین الاقوامی معاہدات میں اسلامی تعلیمات اور شرعی اصولوں کو مدِ نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

آج کے بین الاقوامی معاہدات و قوانین کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ابتدائے اسلام کے بعد مسلمانوں کا جو ایک ہزار سالہ روشن اور درخشندہ دور گزرا ہے اس دور کے معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی پس منظر اور روایات کو یکسر نظر انداز کرنا ہے، یہ درحقیقت ایک کوشش ہے، جس کے ذریعے اسلام کی روح اور ڈھانچے کو تبدیل کرنا مقصود ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا سے اسلامی خلافت اور اسلامی قوانین کے نفاذ کو روکنا ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ ان قوانین کی قانون سازی اور تنفیذ کے لیے کوئی منصوبہ اور پلان نہیں بنایا گیا، بلکہ چند دشمنِ اسلام طاقتوں نے مل کر چند قانون دنیا کے اوپر نافذ کر دیے اور اسی کو انٹرنیشنل قانون کہا جانے لگا۔ نہ اس کے پیچھے کوئی ادارہ اور اس کی صحیح تنقیح و تشریح کے لیے کوئی عدالت قائم ہے۔

بعض لوگوں کا تو یہاں تک کہنا یہ ہے کہ بین الاقوامی معاہدات کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وہ لوگ اس کی درج ذیل وجوہ بیان کرتے ہیں:

1. ان قوانین کی قانون سازی کے لیے کوئی اصول وضوابط نہیں بنائے گئے۔
2. ان قوانین کو نافذ کرنے کے لیے کوئی انٹرنیشنل اتھارٹی نہیں ہے۔
3. ان قوانین کی تنقیح و تشریح کے لیے کوئی عدلیہ قائم نہیں ہے۔
4. اکثر ممالک (States) کی طرف سے ان قوانین کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

عصرِ حاضر میں اقوامِ متحدہ کی موجودہ صورتِ حال اور اسلامی ممالک سے ناانصافی کو دیکھتے ہوئے دہلی سے شائع ہونے والی 4 اکتوبر 2016ء کی رپورٹ کے مطابق ترکی کے صدر جناب حافظ رجب طیب اردگان نے اقوامِ متحدہ کے ادارے جنرل اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"دنیا پر سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبران کی اجارہ داری ہے اور پوری دنیا کی قسمت کا فیصلہ ان کی مٹھی میں ہے۔ ان کے اختیارات نہایت ہی غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر جمہوری ہیں۔ ان کی بدولت انہوں نے پوری دنیا کو غلام بنا رکھا ہے اور اپنے اشاروں پر نچا رہے ہیں۔ یہ پانچ ممالک کبھی بھی کسی دوسرے ملک کو اپنے مفادات کے خلاف قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے اور ان تمام قراردادوں کو ویٹو کر دیتے ہیں جو ان کے یا ان کے حامی ملکوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ ان پانچ ویٹو پاور رکھنے والے ملکوں نے اقوام متحدہ پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان میں ایک بھی مسلم ملک نہیں ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے مسلم ملکوں کے مسائل حل کرنے کی ذرہ برابر بھی سنجیدہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ حل کرنے کی بجائے اور الجھا دیا جاتا ہے جبکہ عیسائیت کے معاملہ میں ان کا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد 24 اکتوبر 1945ء کو جن حالات میں اقوام متحدہ کو تشکیل دیا گیا تھا، بعد میں اس کے ذیلی ادارے اور ممبران بھی وقت کے لحاظ سے بڑھائے جاتے رہے، وہ حالات یکسر بدل چکے

ہیں۔ اب دنیا کے تقاضے دوسرے ہیں اس لیے اقوام متحدہ کو بھی دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو اس کے ذریعے دنیا میں امن کے قیام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"[28]

بین الاقوامی قوانین کی اقسام:

بنیادی طور پر بین الاقوامی قوانین کی دو اقسام ہیں:

1) پہلی قسم پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون ہے، اس کو "Private International law" کہا جاتا ہے، یہ قانون ایسے دو شخصوں کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتا ہے جو دو مختلف ممالک کے باشندے ہوتے ہیں، مثال کے طور پر ان کو کوئی مال ایکسپورٹ یا امپورٹ کرنے ضرورت پیش آتی ہے۔ ایک شخص پاکستان میں، جبکہ دوسرا امریکہ میں رہتا ہے۔ پاکستان سے یہ شخص کپڑا ایکسپورٹ کرتا ہے تو پاکستانی سرحد تک تو پاکستانی قانون لاگو ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے، لیکن جیسے ہی یہ کپڑا جہاز پر لادھا جاتا ہے تو اس کپڑے کی حفاظت، آگے کپڑے کو اتارنا اور مطلوبہ مقام تک بحفاظت پہنچانا وغیرہ یہ سب کچھ پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون کے تحت ہوتا ہے۔

اس میں تمام وہ معاہدات آجاتے ہیں جن کی عام طور پر شخصی اور نجی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ڈاک وغیرہ بھیجنا، میل کرنا، رقم ٹرانسفر کرنا اور بینکوں کے ذریعہ کیے جانے والے بین الاقوامی معاملات وغیرہ۔

2) دوسری قسم ان قوانین کی ہے جو دو ملکوں کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتے ہیں، اس کو پبلک انٹرنیشنل قانون "Public International law" کہا جاتا ہے، اس میں دو ریاستیں کارفرما ہوتی ہیں اور معاہدے کی شقیں دو یا زیادہ ملکوں کے نمائندگان کی باہمی مشاورت سے پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہیں، حالیہ دنوں میں پاکستان اور چین کے درمیان جو سی پیک کا معاہدہ ہوا وہ بھی اسی قسم میں شامل ہے۔

پھر اس میں کبھی تو معاہدہ کرنے والا نمائندہ پورے ملک کی نمائندگی کر رہا ہوتا ہے، جیسے ملک کا وزیراعظم اور صدر وغیرہ۔ ان کی طرف سے کے گئے معاہدات کی پابندی پورے ملک پر لازم ہوتی۔ البتہ کبھی معاہدہ کرنے والا شخص پورے ملک کی نمائندگی نہیں کر رہا ہوتا، بلکہ وہ ملک کے کسی ادارے کا ترجمان ہوتا ہے، جیسے فوج کا چیف آف آرمی اسٹاف وغیرہ۔ ایسی صورت میں اگر یہ ترجمان اس ادارے کی طرف سے کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس کا شریعت کی جائز حدود میں رہتے ہوئے کیا گیا معاہدہ معتبر شمار ہوگا اور اس کی پاسداری لازم ہوگی۔ لیکن اگر یہ ترجمان پورے ملک کی طرف سے کوئی معاہدہ کرے، اگرچہ اس میں شریعت کی حدود کی

رعایت رکھی گئی ہو، لیکن چونکہ اس ترجمان کو پورے ملک کی نمائندگی کا حق نہیں دیا گیا تھا، اس لیے اس معاہدے پاسداری لازم نہیں ہوگی، جیسے مصطفی کمال اتاترک نے پوری دنیا کے مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلم طاقتوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اب دنیا میں خلافت کا قیام نہیں ہوگا، اب عالمی سطح پر جب بھی خلافت کی بات چلتی ہے تو دشمنِ اسلام طاقتیں اس معاہدے کا حوالہ دے کر اس کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہیں، حالانکہ یہ معاہدہ شرعاً تمام اہلِ اسلام پر لازم نہیں، کیونکہ مصطفی کمال اتاترک کو پوری دنیا کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق حاصل نہیں تھا۔

ان دونوں قسم کے قوانین میں درج ذیل فروق ہیں:

1. پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون مختلف ممالک میں رہنے والے اشخاص کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتا ہے، جبکہ پبلک انٹرنیشنل قانون دو یا زیادہ ممالک کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتا ہے۔
2. پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون کی قانون سازی اسٹیٹ کے ذریعے ہوتی ہے، پبلک انٹرنیشنل قانون عالمی معاہدوں کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔
3. پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون کا نفاذ اسٹیٹ خود کرتی ہے، جبکہ پبلک انٹرنیشنل قانون کا نفاذ عالمی دباؤ اور خوف کی بناء پر ہوتا ہے۔
4. پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون کے لیے متعلقہ عدالتیں مقرر ہوتی ہیں، جبکہ پبلک انٹرنیشنل قانون کے لیے کوئی متعلقہ عدالت قائم نہیں ہوتی۔

بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری:

عصرِ حاضر میں دو ملکوں یا مختلف ممالک کے درمیان جو معاہدات ہوتے ہیں ان کا شرعی حکم معاہدے کی نوعیت اور اس میں بیان کردہ شقوں پر مبنی ہے۔ اگر معاہدہ شرعاً جائز بنیادوں پر کیا گیا اور اس میں بیان کردہ تمام یا اکثر شقیں شرعی نقطۂ نظر سے جائز تھیں تو مجموعی اعتبار سے ایسے معاہدے کی پاسداری کرنا فریقین کے ذمہ لازم ہے، خواہ وہ معاہدہ غیر مسلم ملک کے ساتھ کیا گیا ہو یا مسلم ملک کے ساتھ۔ البتہ اگر اس میں بعض شقیں غیر اسلامی ہوں تو ان شقوں کی پاسداری کرنا اور ان پر عمل درآمد کرنا جائز نہیں ہوگا، لیکن مجموعی اعتبار سے اس معاہدہ کا ایفاء تب بھی ضروری ہوگا۔

گزشتہ عبارات میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے چند مثالیں پیش کی گئیں، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم سے کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی بھی ناجائز اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کفارِ مکہ، قبیلہ بنو نظیر، بنو قریظہ اور بعض دیگر قبائل سے معاہدات کیے، لیکن کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ سلم یا خلفائے راشدین سے معاہدے کی خلاف ورزی ثابت ہوتی ہو۔

لیکن اگر معاہدہ ایسا ہو، جس میں اسلامی تعلیمات کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو، جیسا کہ آج کل بین الاقوامی اکثر معاہدات ایسے ہی ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ان معاہدات کی پابندی اور پاسداری لازم نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہم اپنے ایک کالم میں خلافِ شرع کیے جانے والے بین الاقوامی معاہدات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

"بین الاقوامی معاہدات کے نام پر ہم سے تقاضہ کیا جارہاہے کہ قرآن وسنت کے واضح اور صریح خاندانی احکام و قوانین کو تبدیل کرکے (۱) مرد اور عورت کو طلاق کا مساوی حق دیا جائے۔ (۲) وراثت میں مرد اور عورت کے حصے برابر کیے جائیں۔ (۳) اور مرد وعورت میں واضح جسمانی اور نفسیاتی فرق کے باوجود ان کے بارے میں الگ الگ قرآنی احکام کو ختم کر دیا جائے۔ (۴) اسی طرح آزادئ رائے اور آزادئ مذہب کے نام پر ہم سے توہین رسالتؐ کو جرائم کی فہرست سے نکال دینے کے لیے کہا جارہاہے۔ (۵) اسلام اور ریاست کے تعلق کو یکسر ختم کر دینے کے لیے دباؤ ڈالا جارہاہے، اور (۶) قادیانیوں کو مسلمانوں کی صف میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا جارہاہے، وغیر ذلک۔"

(روزنامہ اسلام، لاہور، تاریخ اشاعت: ۲۸ اگست ۲۰۱۵ء)

باقی کسی معاہدہ کے غیر شرعی ہونے کا اگر صرف شبہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں، البتہ اگر یقین سے معلوم ہو جائے کہ یہ خلافِ شریعت اصولوں پر مبنی ہے اور اس بات کا فیصلہ تب ہوگا جب اس معاہدے کی تمام تفصیل شریعت کے ماہر علمائے کرام کے سامنے رکھی جائے وہ اس میں غور وفکر کرنے کے بعد اس نتیجے تک پہنچیں کہ واقعتاً یہ معاہدہ خلافِ شریعت ہے۔ اس کو ختم کرنا ضروری ہے تو اس صورت میں اس معاہدے کا ایفاء ضروری نہیں ہوگا۔

کیا بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری معاہدہ کرنے والے ملک کی عوام پر بھی لازم ہے؟

اصولی طور پر مسلم حکمران کی طرف سے کیے گئے معاہدات کی پاسداری اس ملک کی عوام پر بھی لازم ہے، جیسا کہ سیرتِ طیبہ سے اس کی واضح نظائر ملتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قبائل اور قوموں سے معاہدات کیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی خوب پاسداری کی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلفائے راشدین نے جن ممالک اور قبائل کے جو معاہدات کیے ان کی بھی خوب پابندی کی گئی۔

باقی خلافِ شرع معاہدات کے سلسلہ میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافِ شرع معاہدات کی پابندی اور پاسداری اس ملک کی عوام پر لازم نہیں ہے، چنانچہ قرآنِ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا:

{وإن جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[29]}

یعنی اگر تیرے والدین تجھے شرک کی طرف لے جانے کی کوشش کریں تو ان کی فرمانبرداری مت کرنا۔

اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک انصاری صحابی کو اس پر امیر مقرر فرمایا اور لوگوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیا، راستے میں کسی بات کی وجہ سے امیر لشکر کو غصہ آگیا، اس نے لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا، جب لکڑیاں جمع ہو گئیں تو حکم دیا کہ ان کی آگ جلاؤ، جب آگ جل گئی تو امیر نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ نے تمہیں حکم نہیں دیا کہ امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو؟ لوگوں نے کہا، کیوں نہیں۔ اس پر امیر نے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور آپ ہمیں اس میں داخل ہونے کا حکم دیتے ہو، اسی دوران امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

واپسی پر جب یہ سارا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تو فرمایا اگر یہ لوگ (امیر کے کہنے پر) آگ میں داخل ہو جاتے تو کبھی بھی اس سے نہ نکلتے اور پھر یہ جملہ ارشاد فرمایا:

لا طاعة لمخلوقٍ في معصية الله إنما الطاعة في المعروف[30]

یعنی اللہ تعالیٰ کے معاملے میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اطاعت صرف خیر کے کاموں میں جائز ہے۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہوتی ہے، خلافِ شرع کاموں میں امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی مسلم حکمران خلافِ شرع معاہدہ کرتا

ہے تو رعایا پر اس کی پابندی لازم نہیں ہو گی۔ بلکہ اس حکمران پر لازم ہے کہ ایسے معاہدات کو ختم کر کے شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے معاہدات کرے۔

کون سے معاہدات خلاف شرع شمار ہوں گے؟

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس سلسلے میں بہت سے اصول وضوابط لکھے ہیں، جن کی بنیاد پر کسی چیز کے خلافِ شرع ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ صرف سرسری اور بادی النظر میں شریعت کے خلاف نظر آنے سے اس کو خلافِ شرع کہنا ایک مشکل امر ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

1) اگر کوئی معاہدہ کیا گیا جس میں شریعت کی طرف سے صریح حرام کردہ چیز کو جائز قرار دیا گیا ہو، مثلاً شراب کی عام اجازت دینا، کسی مسلمان ملک کے خلاف غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرنا، زنا بالرضا کی اجازت دینا وغیرہ، ایسے معاہدات کرنا شرعاً حرام اور ناجائز ہیں، جن کی شریعت میں کوئی اجازت نہیں اور ان کی بالکل پاسداری نہیں کی جائے گی، بلکہ ایسے معاہدات کو ختم کرنا واجب ہے۔

2) دوسرے وہ معاہدات جن میں شریعت کی طرف سے فرض کردہ چیز پر پابندی لگائی گئی ہو، جیسے نماز پڑھنے اور زکوۃ کی ادائیگی پر پابندی لگانا اور حج کی ادائیگی نہ کرنے دینا وغیرہ۔ ایسے معاہدات بھی خلاف شریعت ہونے کی بناء پر ناجائز قرار دیے جائیں گے اور ان کو توڑنا بھی واجب ہو گا۔

3) تیسری قسم کے وہ معاہدات ہیں جو بظاہر خلاف شریعت نظر آتے ہوں، لیکن شریعت نے بعض صورتوں میں ان کی گنجائش دی ہو، عورت پر پردہ کرنا واجب ہے، لیکن احرام کی حالت میں عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، لہذا اگر ایسا معاہدہ کیا جائے کہ عورت پردہ نہیں کرے گی اور ملک کا حاکم یہ قانون بنا دے کہ عورت پبلک مقامات پر سیکورٹی خدشات کے باعث پردہ یعنی چہرہ نہیں ڈھانپے گی تو اس کی گنجائش ہو گی۔

4) چوتھی قسم ان معاہدات کی ہے جن میں شریعت کی طرف سے مباح قرار دیے گئے احکام پر پابندی لگائی گئی ہو، جیسے اقوام متحدہ کے ساتھ مسلم ممالک نے یہ معاہدہ کیا کہ آج کے بعد غلام اور باندیاں نہیں بنائے جائیں گے، غلام اور باندیاں بنانا شریعت میں لازم اور واجب بھی نہیں، صرف ایک مباح کام تھا، بلکہ بہت سی صورتوں میں اس غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی حوصلہ افزائی کی گئی، نیز اس میں مسلمانوں کا بھی فائدہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی غلام اور باندیاں نہیں بنایا جائے گا۔

حاکم کے خلافِ شرع معاہدہ کرنے پر رعایا کی ذمہ داری:

خلافِ شرع معاہدات کے بارے میں رعایا پر عائد ہونے والی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے امیر کی اصلاح کی کوشش کریں، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ افضل جہاد کونسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: " **كلمة حق عند سلطان جائر** " یعنی ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا۔[31]

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ خبردار! آج کے بعد کوئی شخص عورت کا مہر چار سو دراہم سے زیادہ مقرر نہ کرے۔ جب آپ منبر سے اترے تو راستے میں ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے قنطار (بارہ ہزار اوقیہ چاندی) کا ذکر فرمایا ہے، تو آپ لوگوں کو زیادہ مہر رکھنے سے کیوں منع کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔[32]

اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے لوگوں سے سوال کیا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کروں تو تم میرے ساتھ معاملہ کروگے تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ہم تلوار سے آپ کو سیدھا کریں گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک میری رعایا میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو دین کے معاملے میں اتنے مضبوط ہیں۔

البتہ رعایا کو چاہیے کہ وہ امیر کو حکمت اور بصیرت کے ساتھ صرف قائل کرنے اور زبانی دباؤ ڈالنے کی کوشش کرے، جیسا کہ قرآن میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: {**ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ**[33]} یعنی حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ اور گفتگو میں بہترین طریقہ اختیار کرو۔

اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو حکم فرمایا: {**فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى**[34] } کہ فرعون سے نرمی سے بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرلے یا وہ ڈر جائے۔

رعایا کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ حاکم کے خلاف بغاوت کرنے سے بچیں، بہت سی احادیث میں اس سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہمیں بلایا اور ہم سے بیعت لی کہ ہم خوشی، ناراضگی، تنگدستی، خوشحالی اور ناانصافی الغرض ہر حالت میں صبر کریں اور امیر کے خلاف کسی معاملے میں جھگڑا نہ کریں، الا یہ کہ اس کی طرف سے واضح کفر کا صدور ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے دلیل ہو گی۔[35]

اس حدیث کو امام بخاری اور دیگر بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے، اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام بإجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين[36]

یعنی مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا اور ان کے ساتھ قتال کرنا باجماع المسلمین حرام ہے، اگرچہ وہ فاسق اور ظالم ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک حاکم کی طرف سے صریح کفر کا ارتکاب نہ ہو اس وقت تک ان کے خلاف بغاوت اور خروج بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت اور حکومت کو نقصان پہنچے گا۔ جس کا شریعت میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ صریح کفر کے ظہور کی صورت میں بھی علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر حاکم کو عہدۂ حکومت سے اتارنے پر طاقت ہو تو خروج کی اجازت دی جائے گی، ورنہ نہیں۔[37]

حاکم کا اپنی صواب دید پر کسی ملک سے معاہدہ کرنا:

حاکم چونکہ پوری اسٹیٹ اور ریاست کا نمائندہ اور ذمہ دار ہوتا ہے، داخلی و خارجی تمام معاملات کا بلا واسطہ یا بالواسطہ وہی ضامن ہوتا ہے، لہٰذا ملکی و قومی سلامتی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو حق حاصل ہے کہ کسی ملک سے کوئی ایسا معاہدہ کرے جو ملکی و قومی سلامتی کا ضامن ہو تو جائز ہے، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صواب دید پر کفارِ مکہ سے معاہدہ کیا، بلکہ ان کی وہ شرطیں بھی قبول کیں، جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بظاہر خوش نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکمِ وقت کو حق حاصل ہے کہ وہ مصلحت کے پیشِ نظر اپنی صواب دید پر کسی ملک سے معاہدہ کر سکتا ہے۔

البتہ مسلمان حاکم کو خلافِ شرع معاہدہ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ حکمت اور مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے معاہدات کرنا نہ صرف جائز، بلکہ ضرورت کے وقت لازم ہوتے ہیں، اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہوازن سے کیا گیا معاہدہ بہترین نظیر اور حکمرانوں کے اسوۂ حسنہ ہے، جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نو شرطیں رکھی تھیں، جن میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے چار شرطیں جو اسلام کے مخالف تھیں، رد فرمادیں اور بقیہ پانچ شرطوں کو قبول فرمالیا۔ مثلا: انہوں نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے، ہمیں زنا کی اجات دی جائے، ہم پر شراب کی پابندی نہ لگائی جائے وغیرہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا کہ ہم پر جو امیر مقرر ہو وہ ہم میں سے ہونا چاہیے اور جو بھی امیر بنے گا اس کا تقرر ہم اپنی مرضی سے کریں گے وغیرہ، ان شرطوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

اس معاہدہ میں حاکم کو ایک راہ عمل دیا گیا ہے کہ اسلام کے مخالف کسی بھی شرط کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس کے علاوہ کسی بھی شرط کو مصلحت کے پیشِ نظر قبول کیا جاسکتا ہے۔

حاکم کا ملکی آئین کے خلاف معاہدہ کرنا:

آج کل چونکہ جمہوری طرز پر حکمرانوں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور ہر حکمران ملک کے آئین کے تحت حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لیے حکمران کا اپنے ملک کے آئین کے خلاف کوئی معاہدہ کرنا جائز نہیں، اہلِ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے اور آئین میں یہ بات بھی درج ہے کہ حکومت کوئی ایسا قانون نہیں بناسکتی جو شریعت کے اصولوں کے متصادم ہو، یہ بات ۱۹۷۳ء کے آئین میں آرٹیکل نمبر ۲۲۷ کے تحت درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

"تمام موجودہ قوانین کو اسلامی احکامات جیسا کہ قرآن وسنت میں وضع کیے گئے ہیں کی مطابقت میں لایا جائے گا، جن کا حصہ ہذا میں اسلامی احکامات کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے اور کوئی قانون جو ایسے احکامات سے متصادم ہو نافذ نہیں کیا جائے گا۔"[38]

لہٰذا حکومتِ وقت خلافِ شریعت جو بھی قانون بنائے گی وہ یقیناً آئین کے بھی خلاف ہو گا، کیونکہ اوپر ذکر کردہ آرٹیکل کی شق میں صراحت کر دی گئی ہے کہ حکومت کے تمام قوانین شریعت کے مطابق ہوں گے، اور ریاست کا ہر قانون آئین کی روشنی میں بنتا ہے، آئین کی شقوں کے خلاف قانون بنانا جرم ہے، جس کے خلاف قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے، لہٰذا اگر حکومت آئین میں درج شدہ کسی شق کے خلاف کوئی معاہدہ کرے یا کوئی قانون منظور کرے تو عوام کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ عدالت سے رجوع کرکے اس معاہدے کو ختم کروا دے، جیسے جناب پرویز مشرف کا امریکہ کو اڈے دینا آئین کے مطابق نہ تھا، اس نے خلافِ آئین یہ کام کیا تھا،

کیونکہ آئین کے مطابق کسی اسلامی ملک کے خلاف پاکستانی فوج اور اڈوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، لہذا اس وقت اگر عوام چاہتے تو عدالت کے ذریعے اس کے خلاف کاروائی ہو سکتی تھی۔

اسی طرح اگر پارلیمنٹ کے ارکان کوئی ایسا قانون منظور یا معاہدہ کرتے ہیں جو آئین کی شقوں کے خلاف ہو تو عوام اس معاہدے اور قانون کا انکار کر سکتے ہیں، لہذا آئے دن پارلیمنٹ کے ممبران شرعی قوانین کے خلاف جو قوانین پاس کرتے رہتے ہیں ان کی پابندی عوام پر لازم نہیں، کیونکہ آئین کی رو سے ایسے قانون بنانے کا حکومت اور پارلیمنٹ کو حق حاصل نہیں، جیسے گزشتہ دنوں حکومتِ سندھ نے یہ قانون پاس کیا کہ بالغ ہونے سے پہلے کسی بچے اور بچی کا اسلام معتبر نہیں ہو گا۔

لہذا ایسے قوانین کے سلسلے میں عوام پر لازم ہے کہ وہ آئین کی روشنی میں حکومت کے خلاف عدالتی کاروائی کریں، تاکہ عدالت اس قانون کے خلاف فیصلہ دے اور حکومت ان قوانین کو ختم کرے۔

ریاست کے داخلی قوانین کی پاسداری:

ریاست کے ہر شہری پر لازم ہوتا ہے کہ وہ حکومتی قوانین کی پاسداری کرے، کیونکہ جو شخص کسی ملک کی شہریت لیتا ہے وہ درحقیقت حکومت سے معاہدہ کرتا ہے کہ میں حکومت کے جائز قانون کی پابندی کروں گا، اس لیے ہر شہری حکومت کے جائز قوانین کی پاسداری کا پابند ہوتا ہے۔

البتہ حکومت کے قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ قوانین جو تمام عوام پر لاگو ہوتے ہیں، جیسے ٹریفک کے قوانین اور انکم ٹیکس وغیرہ دوسرے وہ قوانین ہیں جو کسی خاص طبقے سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے تجارتی ٹیکس وغیرہ۔ یہ قوانین صرف تاجر برادری پر لاگو ہوتے ہیں، پھر پہلی قسم کے قوانین میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ حکومت ان میں چشم پوشی سے کام لیتی ہے، اگر ان کے بارے میں کسی کے خلاف رِٹ دائر کی جائے تو بھی حکومت کوئی نوٹس نہیں لیتی، جیسے ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ بات درج ہے:

"صدر یا کسی گورنر کے خلاف ان کے عہدہ کی میعاد کے دوران کسی عدالت میں کوئی مجرمانہ کاروائیاں خواہ کوئی بھی ہوں، دائر نہیں کی جائیں گی یا جاری نہیں رہیں گی۔"[39]

مذکورہ شق کے تحت کسی بھی صدر یا وزیرِ اعظم کے خلاف ملک کی کسی بھی عدالت میں اس کے خلاف مجرمانہ کاروائی نہیں کی جا سکے گی، جبکہ گزشتہ دنوں اس شق کے خلاف عمل ہوا اور جناب نواز شریف کو وزیر اعظم کے عہدے سے معزول اور نااہل قرار دیدگیا۔

ایسے قوانین کا حکم یہ ہے کہ اگر حکومت اور عدالت کی طرف سے جب ان کی مخالفت پائی جائے گی اور حکومت اس کی خلاف ورزی پر کوئی کان نہ دھرے تو باقی باشندگانِ مملکت پر بھی وہ قانون لازم نہیں رہے گا۔

کیا قبائلی علاقہ جات (Trible Areas) پر بھی ریاستی قوانین کی پابندی لازم ہو گی؟

قبائلی علاقہ جات (Trible Areas) سے مراد پاکستان کا وہ علاقہ ہے جو یومِ آغاز سے عین قبل قبائلی علاقہ جات تھے، جیسے ضلع ٹانک سے منسلک قبائلی علاقہ جات: باجوڑ ایجنسی، اور کرزئی ایجنسی، مہمند ایجنسی، خیبر ایجنسی، کرم ایجنسی، شمالی وزیرستان ایجنسی اور جنوبی وزیرستان ایجنسی، یہ تمام ایجنسیز ضلع ٹانک سے متصل ہیں۔ اسی طرح ڈیرہ اسماعیل خان، لکی مروت، بنوں، کوہاٹ، پشاور اور چترال وغیرہ سے منسلک علاقہ جات بھی انہی علاقوں میں شامل ہیں۔

ان علاقوں کا حکم یہ ہے کہ آزادی کے موقع پر یا اس کے بعد ان کے ساتھ جو پاکستان معاہدہ ہوا ہو اس کے مطابق یہ قوانین کے پابند ہوں گے، مثلا: ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ بات درج ہے کہ:

"آئین کے تابع وفاق کا انتظامی اختیار وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقہ جات تک وسعت پذیر ہو گا اور کسی صوبے کا انتظامی اختیار اس صوبہ میں شامل صوبائی زیرِ انتظام قبائلی علاقہ جات تک وسعت پذیر ہو گا۔"[40]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ علاقے وفاق میں شامل ہوں گے اور پھر ہر صوبے سے منسلک علاقہ جات میں اس صوبے کا انتظامی اختیار چلے گا، لہٰذا ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں پر بھی بحیثیت شہری حکومتی قوانین کی پاسداری لازم ہو گی۔

اسی طرح ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ بات بھی درج ہے کہ:

"مجلس شوری (پارلیمنٹ) کا کوئی قانون وفاق کے زیرِ انتظام کسی قبائلی علاقہ یا اس کے کسی حصہ پر لاگو نہ ہو گا، تا وقتیکہ صدر ایسے طور پر ہدایت نہ کرتا ہو۔"[41]

مذکورہ عبارت میں صراحت کی گئی ہے کہ پارلیمنٹ کا کوئی قانون اس وقت تک وفاقی یا صوبائی زیرِ انتظام علاقوں پر لاگو نہ ہو گا جب تک صدر اس کی منظوری نہ دے۔

حاصل بحث:

گزشتہ تمام بحث کا حاصل درج ذیل نکات کی صورت میں نکلتا ہے:

1) وعدہ اور معاہدہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ طور پر، جبکہ معاہدہ فریقین کی طرف سے ہوتا ہے، دونوں کی پاسداری کی شریعت میں بہت تاکید کی گئی ہے اور بلاعذر توڑنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، البتہ معاہدہ کی پاسداری وعدہ کی بنسبت زیادہ ضروری ہے۔

2) اگر معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے دوسرے فریق کا نقصان ہو جائے تو وہ خلاف ورزی کرنے والے فریق کو اپنے نقصان کا ضامن ٹھہرا سکتا ہے۔

3) انٹرنیشنل قانون کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں؛ ایک پرائیویٹ انٹرنیشنل قانون ہے جو دو مختلف ملکوں کے باشندوں کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتا ہے، دوسرا پبلک انٹرنیشنل قانون ہے، جو دو یا زیادہ ریاستوں کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کرتا ہے۔ عالمی معاہدات جو دو ملکوں کے آپس میں تعلقات کو منظم اور ریگولیٹ کرتے ہیں۔ آج کے دور میں ایسے بین الاقوامی معاہدات کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ان کی پاسداری بھی فریقین کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔

4) کسی مسلمان حاکم کے لیے شریعت کے صریح احکامات کے خلاف (جیسے شراب کو جائز قرار دینا یا گائے کی قربانی پر پابندی لگانا وغیرہ) معاہدات کرنا اور ان کی پاسداری کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی معاہدے کی بعض شقیں خلافِ شریعت ہوں اور سیاستِ شرعیہ کے اعتبار سے اس میں کچھ گنجائش نکلتی ہو، جیسے سیکورٹی کے مسائل کے پیشِ نظر بعض مقامات پر عورت کو چہرہ کھلا رکھنے کا معاہدہ کرنا وغیرہ، جبکہ مجموعی اعتبار سے وہ معاہدہ جائز اور مصلحتِ عامہ پر مبنی ہو تو خلافِ شرع شقوں کو چھوڑ کر بقیہ معاہدے کی پابندی لازم ہو گی۔

5) کسی معاہدے کے خلافِ شریعت ہونے کا فیصلہ شریعت کے ماہر علمائے کرام کی رائے پر موقوف ہو گا، جس میں علمائے کرام کی اکثریت کے فیصلے کو مدار بنایا جائے گا۔

6) بین الاقوامی معاہدات میں اگر کوئی شخص پورے ملک کا نمائندہ اور ترجمان بن کر معاہدہ کرے اور اس کو یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی ہو تو وہ معاہدہ معتبر ہو گا، لیکن اگر ملک کے کسی ادارے کا سربراہ جیسے آرمی چیف وغیرہ پورے ملک کی طرف سے کوئی معاہدہ کرے تو اس کی پاسداری پورے ملک پر لازم نہ ہو گی، بلکہ صرف اسی ادارے پر اس کی پاسداری لازم ہو گی، کیونکہ ادارے کا سربراہ پورے ملک کا نمائندہ نہیں تھا۔

7) اگر کسی مجبوری اور حالات کی سنجیدگی کے پیشِ نظر کسی اسلامی ملک کے خلاف غیر مسلم طاقتوں کی مدد کرنی پڑے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں، البتہ اگر کسی مسلمان ملک کے خلاف معاہدے میں کسی مسلمان کی جان کو

خطرہ لاحق نہ ہو اور معاہدہ نہ کرنے کی صورت میں ملک کو مشکلات اور سخت پریشانی کا سامنا ہو تو "أهون البليتين" کے ضابطے پر عمل کرتے ہوئے معاہدہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں شرعی اور قومی سلامتی کو ملحوظ رکھا گیا ہو، ذاتی اغراض و مقاصد پیشِ نظر نہ ہوں۔

حوالہ جات و حواشی:

---

[1] الدر المختار (5/277، علاؤالدین محمد بن علی الحصکفی، دارالفکر، بیروت

Al Dur ul mukhtaar (5/277, Ala Uddin Muhammad bin Ali Alhaskafi, Darul Fikr, Berut).

[2] الأنعام:152.

[3] تفسير الألوسي (8/56): ابو الفضل محمود الآلوسی، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بیروت

Tafsser ul Aalosi (56/8): Abu ulfazl Mahmood Alaalosi, Publisher: Darul Ihyaa Alturaas Alarabi, Berut.

[4] تفسير الطبري (12/226) محمد بن جریر الطبری،: مؤسسة الرسالة، الطبعة: 1420ھ-2000م

Tafseer Altabari (12/226) Muhammad Bin Jurair Altabari: Muasisa tur Risalah: Published: 1420Hijri-2000A.D.

[5] الإسراء:34

[6] تفسیر الآلوسی (10/448) ابو الفضل محمود الآلوسي، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بیروت

Tafseer Alaalosi (10/448) Abu ulfazl Mahmood Alaalosi, Publisher.

[7] الصف:2،3

[8] الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم (رقم الحدیث:2306) محمد بن فتوح الحمیدی (المتوفی:488ھ)، دار ابن حزم، بیروت

Al Sahihain; AlBukhari wa Muslim (Hadith: 2306) Muhammad Bin Fatuh Alhameedi (died:448), Dar Ibn e hasm, Berut.

[9] جامع الترمذی (ج:4، ص:316) محمد بن عیسی الترمذی، دار الغرب الإسلامی، بیروت، سنِ طباعت:1998م

Altirmizi (4/316) Muhammad Bin Easa Altirmizi, Dar ul Gharb Alislami, Berut.

[10] الفتوحات الربانية (ج:6 ص:258)، محمد بن علان الشافعی، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت

Alfatuhat ul Rabbania (6/258) Muhammad Bin Alaan Alshafi: Darul Ihyaa Alturaas Alarabi, Berut.

[11] روضة الطالبين (5/390) ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف النووی، المكتب الاسلامی، بیروت، سنِ طباعت:1405ھ

Rauzat ul Talibeen (5/390) Abu Zakariya Muhudeen Yahya Bin Sharf Alnavavi, Almaktab ul Islami, Berut, Published on 1405Hijri.

[12] احکام القرآن(3/591)،لابی بکر احمد بن علي ابو بکر الجصاص، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سن طباعت:1415ھ/1994م

Ehkaam ul Quran (3/591) Abi vBakar Ahmad Binn Ali Abu Bakar Aljasaas, Dar ul Kutub Alilmia, Berut, Published on: 1415/1994AC.

[13] الاشباہ والنظائر (ص: 288) ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم الحنفی دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبع: 1400ھ-1980م

Alashbaah Wan Nazaer(p:288) Ibn e Nujaim Zain uddin Bin IbrahimAlhanafi, Darul Kutub AL ilmia, Berut, Published: 1400/1980AC.

[14] مجلۃ الأحکام العدلیۃ(ص:26، المادۃ:84)لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقهاء في الخلافۃ العثمانیۃ، نور محمد، کارخانہ، آرام باغ، کراچی

Majala tul ahkaam Aladlia (pg:26/Almada:84) Comission of Scholars and Fuqaha was established during Khilafah AL Usmania, Noor Muhammad Factory, Aaram Bagh, Krachi.

[15] القاموس الوحید(ص:1136)العلامہ وحید الزماں الکیرانوی، ادارہ اسلامیات، لاهور

Al Qamoos ul Waheed (pg:1136) Alama W aheed Uzzaman Alkeranvi, Idara Alislmiat. Lahore.

[16] درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام(1/77)علی حیدر الآفندی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

Dur ul Ahkaam sharhu Majala tul ahkaam (1/77) Ali Haider Alaafandi Darul Kutub AL ilmia, Berut.

[17] سنن أبي داود(6/586، رقم الحدیث:4530)ابو داود سلیمان بن الأشعث، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیرو

Sunan e Abi Daud (6/586, Hadith:4530) Abu Daud SulaimanBin Alash'as, Dar ur Risalah Al Aalamia, Berut.

[18] السنن الصغری(8/162)ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراچی

Al Sunanu Sughra (8/162) Abu Bakar Ahmad Bin Albaihiqi. Jamia Aldirasaat Alislamia, Karachi.

[19] السنن الکبری للبیهقي وفي ذیله الجوهر النقي(9/227)ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراچی

Al Sunan ul Kubra Lil Baihiqi and under that in Jauhar il Naqi (9/227) Abu Bakar Ahmad Bin Hussain Al Baihiqi, Jamia Aldirasaat Alislamia, Karachi.

[20] سنن أبي داود ت الأرنؤوط(4/387)ابو داود سلیمان بن الأشعث، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت

Sunan e Abi Daud Alarnaut (4/387) Abu Daud Sulaiman Bin Alash'as, Dar ur Risalah Alaalamiah, Berut.

[21] سنن الترمذي(4/143، رقم الحدیث:1580) محمد بن عیسی الترمذی، دار الغرب الإسلامی، بیروت، سن طباعت: 1998م

Sunan Al Tirmizi (4/143, Hadith1580) Muhammad Bin Easa Al Tirmizi.Darul Gharb Alislami, Berut, year of publishing: 1998A.D.

[22] الأنفال:55،56

19۔شعب الإيمان(4/320):ابو بکر احمد بن الحسین البیھقي،الناشر:دار الکتب العلمیة–بیروت

Shab ul Imaan (4/320) Abu Bakar Ahmad Bin Hussain Al Baihiqi, Publisher: Dar ul Kutub Al ilmiah, Berut.

[24] الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم(2/158) محمد بن فتوح الحميدي دار النشر،بيروت

Alsahihain; Al Bukhari and Al Muslim (2/158) Muhammad Bin Fatuh Alhameedi, Darun Nashr, Berut.

[25] الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم(2/357) محمد بن فتوح الحميدي،دار النشر،بيروت

Alsahihain; Al Bukhari and Al Muslim (2/357) Muhammad Bin Fatuh Alhameedi, Darun Nashr, Berut.

[26] التيسير بشرح الجامع الصغير(2/579) زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين،مكتبة الإمام الشافعي، الرياض

Al Taiseer bisharhil Jaam e Alsagheer (2/579) Zain Uddin Muhammad known as Abdur Rauf Bin Taaj ul Arifeen, Maktaba Tul Imam Shafi, Riyadh.

[27] إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام (ص:496) تقي الدين محمد بن علي، المعروف بابن دقيق العيد، ط:مؤسسة الرسالة–بيروت

Ehkaam ul Ahkaam Sharh u Umdah Tul Ahkaam (pg:496) Taqi Uddin Muhammad Bin Ali known as Ibn e Daqeeq Al eid, Publisher: Muassasah tur Risalah, Berut.

[28] نوائے حق، اشاعت:14.03.2017ء،مولانا زاہد الراشدی صاحب

Nawa e haq, Published on 14.03.2017, Maulana Zahid ur Rashidi.

[29] لقمان:15

[30] الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم(1/79)الامام محمد بن فتوح الحميدي،دار النشر/دار ابن حزم،بيروت

Al Sahihain; Al Bukhari and Al Muslim (1/79) Imam Muhammad Bin Fatuh Al Hameedi, Dar ul Nashr /Dar ibn Hazm, Berut.

[31] المعجم الأوسط(7/52):ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني،الناشر:دار الحرمين–القاهرة

Al mujam ul Ausat (7/52) Abu Qasim Sulaiman Bin Ahmad Al Tabarani, Publisher: Dar ul Haramain-Al Qahirah.

[32] السنن الكبرى للبيهقي(7/233)ابو بكر احمد بن الحسين البيهقي، مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة بحيدر آباد، الهند

Al Sunan ul Kubra lil Baihaqi, Majlis Dairah Tul Maarif Al Nizamiyah Al Kainah, Hayderabad, India.

[33] النحل:125

[34] طه:44

[35] صحیح البخاري-(9/47)الإمام محمد بن إسماعیل البخاری، دار طوق النجاۃ

Saheeh Al Bukhari-(9/47) Imam Muhammad Bin Ismaeel Al Bukhari, Dar Taoq un Najat.

[36] شرح النووي علی مسلم(12/229)ابوزکریا محيي الدین یحیی بن شرف النووی، دار إحیاء التراث العربی-بیروت۔

Sharah u Al Navavi Ala Muslim (12/229) Abu Zakariya Muhiuddin Yahya Bin Sharaf Al Navavi, Dar Ihya u Alturas AlArabi-Berut.

[37] شرح النووي علی مسلم(12/229)ابوزکریا محيي الدین یحی بن شرف النووی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

Sharah u Al Navavi Ala Muslim (12/229) Abu Zakariya Muhiuddin Yahya Bin Sharaf Al Navavi, Dar Ihya u Alturas AlArabi-Berut.

[38] باب چہارم: آرٹیکل:۲۲۷، صدر، گورنر اور وزیر وغیرہ کا تحفظ، اسلامی جمہوریہ پاکستان آئین ۱۹۷۳ء، (ص:۱۸۵)، ترجمہ نگار: زاہد حسین انجم، منصور بک ہاؤس، لاہور۔

Chapter 4: Article:227, Conservation of President, Governor and Prime Minister's etc.

[39] باب چہارم: آرٹیکل:۲۷۸، صدر، گورنر اور وزیر وغیرہ کا تحفظ، اسلامی جمہوریہ پاکستان آئین ۱۹۷۳ء، (ص:۱۸۵)، ترجمہ نگار: زاہد حسین انجم، منصور بک ہاؤس، لاہور۔

Chapter 4: Article:227, Consevation of President, Governor and Prime Minister' etc, Article of Islamic state of Pakistan 1973(pg:178), Translater: Zahid Hussain Anjam, Mansoor Book House, Lahore.

[40] باب نمبر ۳، آرٹیکل: ۲۴۶، قبائلی علاقہ جات، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء، ترجمہ نگار: زاہد حسین انجم، منصور بک ہاؤس، لاہور۔

Chapter 3, Article:246, Northern Areas, Article of Islamic state of Pakistan 1973, Translater: Zahid Hussain Anjam, Mansoor Book House, Lahore.

[41] باب نمبر ۳، آرٹیکل:۲۴۷، قبائلی علاقہ جات کا انتظام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء، ترجمہ نگار: زاہد حسین انجم، منصور بک ہاؤس، لاہور۔

Chapter 3, Article:247, Management of Northern Areas,Article of Islamic state of Pakistan 1973 Translater: Zahid Hussain Anjam,Mansoor Book House,Lahore.